اسلامی جہاد

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کو ہجرت سے قبل مکہ میں کیا کچھ اذیت نہ دی گئی اور جیسے جیسے یہ ہجرت کرتے جاتے تھے ان کی جائیداد منقولہ کس طرح قرق نہ ہوتی گئی۔ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کثیر رقمیں امانت تھیں ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقاماً ہی ساتھ لے کر مدینہ فرار ہو سکتے تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ کیا اس سے خود بیسویں صدی کے مہذب انسان کو (چاہے گورا ہو یا کالا) شرمانا پڑتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر میں تشریف فرما ہیں۔ ابو جہل کی سرداری میں تعداد میں تگنا، سازوسامان میں دس گنا دشمن کا لشکر چڑھائی کرتا ہے۔ مورخ بلاذری نے "انسا الاشراف" میں ایک کم معروف مگر اہم تفصیل درج کی ہے اور لکھا ہے:۔

"آنحصرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لشکر کو کہلا بھیجا کہ مکہ واپس چلے جائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ٹکرانا نہیں چاہتے۔ جب ادھر سے انکار ہوا، تو مجبوراً لڑائی کرنی ہی پڑی۔ تگنے دشمن کو شکست فاش دینے کے بعد جب ستر اسی آدمی گرفتار ہوئے تو ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتارے میں کوئی امر مانع نہ تھا اور شاید مسلمان حق بجانب ہوتے مگر مقصد انتقام تھا نہ درندگی و

خونخواری۔ اگر ان سب کو یونہی چھوڑ دیا جاتا تو شاید وہ بھی افراد کی فطرتوں میں تفاوت کے باعث مقصد کو فوت کر دیتا اس لیے قیدیوں سے برتاؤ بھی مختلف رہا۔ شریفوں کو محض اس وعدے پر چھوڑ دیا کہ آیندہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہو سلم کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ اسلحہ فروش مالداروں سے فدیہ میں ہتھیار مانگے گئے، سرمایہ داروں سے رقم مانگی گئی، پڑھے لکھوں سے کہا گیا کہ ہر شخص دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ صرف دو قیدیوں کو جو بدر کی چڑھائی کے اصل ذمہ دار تھے اور ہر طرح کے جبر وطنز وغیرہ کے ذریعے سے ہچکچانے والوں کو بھی ورغلا کر لائے تھے اور جن کی افتاد طبع سے اس کی توقع ہی نہ تھی کہ کسی نرمی یا رعایت سے وہ کچھ بھی متاثر نہ ہوں گے صرف ایسے دو آدمیوں کو مستقبل کے خوف سے سزائے موت دی گئی۔"

بنو نضیر کے یہودیوں نے بدعہدی سے گزر کر غداری کا اقدام کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے ہجرت کے بعد راضی خوشی اپنی شہری مملکت کا سردار تسلیم کیا گھا۔ لیکن جب ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے محلے میں گئے اور دھوپ سے بچنے کے لیے ایک برج کے سائے میں تشریف فرماہوئے (ان اللہ کے بندوں کو اس کی بھی توفیق نہ ہوئی تھی کہ اپنے صدر مملکت کو کسی گھر میں بٹھا کر گفتگو کریں) تو برج پر سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی تدبیر ہوئی۔ جب ہر طرح کی سرزوری اور جنگی مقاومت کے باوجود ان کو صرف یہ سزا ملی کہ کہیں اور چلے جائیں (اور پورا مال و متاع ساتھ لے جائیں حتیٰ کہ مسلمانوں کے دیے ہوئے قرضے بھی واپس حاصل کر لیں) تو اس رعایت کا بدلہ یوں دیا کہ سارے عرب کو مدینے پر چڑھا لائے اور معرکہ خندق میں مسلمانوں کے "کلیجے منہ کو آگئے"۔

اس انتہائی نازک اور زندگی موت کی کشمکش میں اندرون مدینہ بنو قریظہ نے عین دم آخر غداری کی اور چاہا کہ مسلمانوں پر اندر سے ٹوٹ پڑیں (اور خندق وغیرہ کا سارا دفاعی نظام بے کار کر دیں) انہیں بڑی فراست سے ایک دن روکا گیا اور یوم سبت (سنیچر) تھا جس میں یہودی اس زمانے میں جنگ نہ کرتے تھے۔ تیسرے دن عربوں کے حرام مہینے ذیقعد تا محرم) شروع ہو رہے تھے۔ اس طرح لڑائی ختم ہو گئی۔

پروفیسر ونیسنک نے (جو غالباً یہودی تھا) یہ معقول سوال کیا ہے کہ بنو نضیر کے ساتھ رعایت کے تلخ تجربہ کے بعد کیا بنو قریظہ کی قوت بھی انہی مخالفوں کی طاقت میں اضافے کے لیے چھوڑ دی جا سکتی ہے؟ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی نرمی دکھائی اور فرمایا کہ

> "ان یہودیوں ہی کے ایک سابق دوست اور حلیف کو پنچ ٹھہرایا جائے اور وہ جو بھی فیصلہ کرے وہ نافذ کیا جائے۔"

اگر بنو قریظہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم بناتے تو شاید رحمۃ اللعالمینی کا مظاہر ہوتا۔ بہر حال اس پنچ نے بھی کوئی خاص سختی نہ کی اور صرف یہ حکم دیا کہ

"توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مغلوب دشمن سے برتاؤ کا جو حکم دیا گیا ہے (دیکھو توریت کتاب تثنیہ فصل 20، فقرہ 10 تا 14) وہی عمل میں لایا جائے"

گویا یہودی اپنے دشمنوں سے جو برتاؤ کرتے ہیں وہی برتاؤ ان سے کیا جائے۔

فتح مکہ شاید انسانی جہاد کا کمال ہے۔ اکیس سال سے مسلسل اہل مکہ مسلمانوں کو روز افزوں بے وجہ ستاتے چلے آرہے تھے۔ اس کی داستان سے سب واقف ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وطن کو جہاں سے جلاوطنی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجبور کیا گیا تھا فاتحانہ واپس آئے جو برتاؤ عمل میں آیا اس کا بیسویں صدی کا "مہذب" انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فوجی دستے شہر کی طرف بڑھے تو اس منادی کے ساتھ کہ

" جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اسے امان ہے، جو ہتھیار ڈال دے اسے امان ہے، جو حرم کعبہ میں چلا جائے اسے امان ہے، جو سردار شہر ابو سفیان کے گھر[1] میں چلا جائے اسے امان ہے"

[1] مشہور تابعی ثابت البنانی نے لکھا ہے کہ قبل ہجرت گلی کے لونڈے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرتے اور آپ پر سنگباری کرتے اور آپ ابو سفیان کے گھر میں گھس جاتے تو وہاں آپ کو امن مل جاتا۔ فتح مکہ کا یہ اعلان اسی کی شکر گزاری میں تھا۔

شہر پر قبضہ مکمل ہو جانے کے بعد بستی کی ساری آبادی بلائی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ وہ کس برتاؤ کی توقع کرتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے قتل عام کا حکم دے سکتے تھے۔ ساری جائیداد لوٹ کر لے لینے، سارے لوگوں کو غلام بنانے کا بھی فیصلہ فرماسکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ فرمایا کہ

"جاؤ تم، تم پر کوئی گرفت نہیں۔ تمھیں چھوڑ دیا جاتا ہے"

اس نفسیاتی لمحہ میں فوراً ہی بکثرت لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان میں سب سے پہلے ایک مشہور متمرد سردار عتاب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے چند لمحہ پہلے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو عتاب نے کہا تھا

"خدا کا شکر ہے کہ میرا باپ آج زندہ نہیں ہے ورنہ وہ اس نہیق حمار یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کو برداشت نہ کر سکتا۔"

جب عفو عام کے اعلان پر سب سے پہلے عتاب نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا تو اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"اچھا میں تمھیں مکہ کا گورنر مقرر کرتا ہوں"

تو مفتوحہ شہر وہیں کے ایک نو مسلم کٹر دشمن کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور چند دن بعد مدینہ واپسی ہوتی ہے تو مدینہ کا ایک واحد سپاہی تک وہاں احتیاطاً چھوڑنا غیر ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ ولمثل ھذا فلیعمل العاملون۔

(ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ۔ 26 جنوری 1968

بارِ دگر یہی مضمون 7 فروری 1969 میں بھی شائع ہوا)